دو، دو، تین تین افراد پر مشتمل ایک ذمہ دار مجلس بنائی جائے جو پورے محلّہ کے اتفاق واتحاد کے ساتھ لوگوں کونمازی بنانے کی جدوجہد کرے۔

(۷) مساجد کی حسب ضرورت اصلاح ومرمت،توسیع وتعمیر کی جائے اورانھیں خوب آباد رکھا جائے۔

(۸) حفاظت خود اختیاری کے لئے ہر گاؤں اور محلّہ میں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے۔

(۹) افواہوں اوراشتعال انگیزیوں پرصبر وسکون کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اورفتنہ وفساد کوصلح وآشتی کے ساتھ دفع کرنے کی ہرامکانی کوشش کی جائے بصورت دیگر اپنے جان ومال کی حفاظت کے لئے فسادیوں کی مدافعت ہمت وجرأت کے ساتھ کی جائے۔

(۱۰) اپنے ہم سایہ دیگر برادریوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے جائیں،ان کے ساتھ رواداری،حسن اخلاق،اچھے سلوک اور ہمدردی کا برتاؤ کیا جائے۔

اگران اصول پرعمل کرتے ہوئے استقلال وپامردی کے ساتھ ہمارے قدم بڑھتے رہےتو انشاء اللہ مصائب کے بادل چھٹ جائیں گے، مشکلات دور ہوجائیں گی،حق و صداقت کاغلبہ اورعدل وانصاف کابول بالا ہوگا،ظلم پیشہ طاقتیں سرنگوں اورطاغوتی ظلمتیں کافور ہوجائیں گی۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا.

☆ ☆ ☆

اجودھیا کی تاریخی حیثیت

اجودھیاہندوستان کا ایک قدیم شہر ہے جوفیض آبادشہر سے جنوب مشرق میں تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پردریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے۔

اجودھیا کی قدامت

اجودھیا کا سب سے قدیم ذکر والمیک کی رزمیہ نظم رامائن میں ملتا ہے،والمیک کے اس تذکرہ کا خلاصہ یہ ہے۔

> ''قدیم زمانہ میں ایک بڑی سلطنت کوسل نامی دریائے سرجو (گھاگھرا) کے کنارے واقع تھی اس کا دارالسلطنت اجودھیا تھا،جس کوخودمنو نے آباد کیا تھا (منوانسان کے ابوالآباء کو کہتے ہیں) اس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں اور ایک ناقابلِ عبور خندق اس کی حفاظت کا سامان تھے، یہاں ایسے ایسے آلاتِ حرب موجود تھے جو ایک دم سوسو آدمیوں کو ہلاک کرسکتے تھے،کئی محل اور بہت سی منزل درمنزل عمارتیں اس کی رونق تھیں، یہ تھا اجودھیا کا وہ شہر جو دنیا میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔(۱)

لیکن والمیک کے اس بیان کوعصر حاضر کے غیرمسلم دانشور بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے چنانچہ سروپلّی گوپال، رومیلا تھاپر، پپن چندر، ایس بھٹا چاریہ،سویرا جیسوال، ہربنس مکھیا، کے این پنیکر، اَرچمیک لکشمی، ستیش اگروال، بی ٹی چٹو اپادھیائے، آرین ورما، کے

(۱) رامائن ازگرفتھ کتاب ۱باب ۵اشلوک ۵ بحوالہ معارف اعظم گڈھ ۳ جلد ۲۹ص ۱۷۹مقالہ بعنوان رامائن پرایک نظر۔

مینا کشی، دلباغ سنگھ، مردولا مکھرجی، مادھون پلات، آدتیہ مکرجی، ایس ایف رتنا گر، نیلا دری بھٹا چاریہ، کے کے تریویدی، یوکیس شرما، کنال چکرورتی، بھگوان سنگھ جوش، راجن گرو کل، ہیمان شوری۔ پورے دور جن تاریخ کے اسکالروں نے متفقہ طور پر والمیک کے اس بیان پر درج ذیل تنقید کی ہے۔

''والمیکی رامائن کے مطابق ایودھیا کے''راجہ رام'' کلیگ شروع ہونے سے ہزاروں سال پہلے ترتیا یگ میں پیدا ہوئے تھے، کلیگ ۳۱۰۲ ق م میں شروع ہوتا ہے اس زمانہ میں آثار قدیمہ کی رو سے ایودھیا آباد ہی نہیں تھا، یہاں سب سے پرانی ممکن بستی آٹھویں صدی قبل مسیح میں تھی، والمیکی رامائن میں بیان کئے گئے طرز زندگی کے برخلاف اس زمانے میں رہن سہن خاصا معمولی اور سادہ تھا، والمیکی میں اعلیٰ شہری زندگی، شاہی محلات اور عمارتوں کا ذکر ہے جن کیلئے آٹھویں صدی قبل مسیح کے آثار قدیمہ سے کسی طرح کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔''(۱)

ایک اور ہندو محقق و مورخ ڈاکٹر آر ایل شکلا پروفیسر دہلی یونیورسٹی یہ تبصرہ کرتے ہیں۔

''بعض مؤرخین رامائن میں بیان کئے گئے''رام'' کو حقیقی کردار مانتے ہیں، یہ مؤرخین رام کا زمانہ ڈھائی ہزار سال قبل مسیح مانتے ہیں....اگر ہم اس تحقیق کو مان لیں تو رامائن میں جن مقامات کا تعلق رام جی سے بیان کیا گیا ہے ان جگہوں میں عیسیٰ (علیہ السلام) سے ڈھائی ہزار سال پہلے انسانی زندگی کے آثار ملنے چاہئیں اسی مقصد کے تحت تین مقامات کی کھدائی ہوئی (۱) ضلع فیض آباد میں اجودھیا کی (۲) الہ آباد سے ۳۵ کلومیٹر شمال میں واقع شرنگویر پور کی (۳) اور الہ آباد میں واقع بھاردواج آشرم کی، اجودھیا میں کھدائی آج سے تقریباً ۲۵ سال پیشتر ہوئی تھی، اس وقت وہاں آبادی کی علامتیں عیسیٰ (علیہ السلام) سے چھ سو سال پہلے کی نہیں ملی تھی، اور اب سے

(۱) تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال۔ روزنامہ قومی آواز دہلی ۶ رنومبر ۱۹۹۰ء

تقریباً دس سال پہلے دوبارہ بڑے پیمانے پر وہاں (اجودھیا) کی کھدائی ہوئی، اس کھدائی سے بھی آبادی کے متعلق وہی نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے زیادہ سے زیادہ سات سو سال قبل کی آبادی کے آثار پائے گئے (اس سے پہلے کے نہیں) اب اگر یہ مان لیا جائے کہ موجودہ اجودھیا ہی رام جی کی نگری تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ رام جی کے زمانہ سے اجودھیا کی آبادی کے زمانے کی تطبیق کیوں نہیں ہوتی کیونکہ رام جی کا زمانہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے کم از کم ڈھائی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے، اس تحقیق کے اعتبار سے موجودہ اجودھیا رام جی کی بھومی نہیں ہوسکتا۔''(۱)

ڈاکٹر شکلا اسی مقالہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''والمیکی رامائن کے مطابق کوسل کا پایہ تخت اجودھیا سرجوندی (دریائے گھاگھرا) کے داہنی سمت ڈیڑھ یوجن (ساڑھے تیرہ میل) کے فاصلے پر سرجو سے پورب میں تھا جب کہ آج کا اجودھیا سرجو کے بالکل کنارے پچھّم طرف واقع ہے، والمیکی کے اس بیان سے بھی موجودہ اجودھیا کا تعلق رام جی کے اجودھیا سے قائم نہیں ہوتا۔''

والمیک کی اس روایت کے بالمقابل بعض مسلم تاریخ نویسوں نے شہر اجودھیا کا تعلق ابوالبشر آدم علیہ السلام کے حقیقی و صلبی بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے جوڑا ہے اور لکھتے ہیں کہ اجودھیا کے اولین بانی حضرت شیث علیہ السلام ہیں، اور بہت سے مؤرخین نے حضرت شیث علیہ السلام کا مدفن اجودھیا ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ آپ کے نام سے منسوب ایک قبر اجودھیا میں آج بھی موجود ہے جس کی تفصیل کتاب کے آخری باب میں ذکر کی گئی ہے، لیکن آثار قدیمہ کی اس جدید تحقیق کی رو سے یہ روایت بھی مخدوش ہوجاتی ہے۔

اجودھیا کے متعلق ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ ترتیا یگ کے بعد اجودھیا گم ہوگیا تھا جس کو وکرمادتیہ نے دوبارہ دریافت کیا، اس روایت کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) مقالہ رام کی نگری اجودھیا جھوٹ یا سچ، شائع شدہ ایٹک سنواد ماہ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۱۲

''وکرمادتیہ کو جب اجودھیا کی جستجو ہوئی تو انھیں کسی ذریعہ سے پتہ چلا کہ تیرتھوں کے حکمراں پریاگ کو اجودھیا کے جائے وقوع کا علم ہے چنانچہ وکرما ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اجودھیا کے جائے وقوع کے بارے میں معلومات چاہی، پریاگ نے انھیں اس مقام کی نشاندہی کردی جہاں پہلے اجودھیا واقع تھا، لیکن پریاگ سے صحیح پتہ معلوم کر لینے کے باوجود وکرما اجودھیا کو پا نہیں سکے تو انھوں نے ایک یوگی سے رجوع کیا، یوگی نے ان سے کہا کہ وہ ایک گائے اور ایک بچھڑی کو کھلے مہار آزاد چھوڑ دیں جس جگہ پہنچ کر بچھڑی کے تھن سے دودھ ٹپکنے لگے وہی اجودھیا ہوگا، وکرما نے یوگی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا اور اجودھیا کے پالینے میں کامیاب ہو گیا۔(۱)

اس روایت کی تمام تر بنیاد مذہبی خوش اعتقادی پر ہے، جس کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ عصر جدید کے ہندو مؤرخین جنھوں نے مذہبی خوش عقیدگی کے بجائے تاریخی دلائل وشواہد پر اپنی تحقیق و بحث کی بنیاد رکھی ہے وہ والمیکی میں مذکور اجودھیا کو ایک شاعرانہ تخیل سے زیادہ کی حیثیت نہیں دیتے۔

اجودھیا کی شناخت

موجودہ اجودھیا کی شناخت تاریخی لحاظ سے پانچویں صدی عیسوی سے ہوئی ہے، اس سلسلے میں تاریخ نے اپنے صفحات میں جو تفصیلات محفوظ کی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ گپت خاندان کے راجہ سکند گپت جس کی راجدھانی سکیٹہ یا ساکا (موجودہ ساکیت) تھی اپنے بعض سیاسی مصالح کے پیش نظر اس کا نام تبدیل کرکے اسے اجودھیا سے موسوم کردیا تھا، اجودھیا سے ملحق ساکیت نام کی ایک آبادی آج بھی موجود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سکیٹہ اجودھیا بن جانے کے باوجود ایک حد تک باقی رہا، اسی کے ساتھ سکّوں میں اپنا اصلی نام کندہ کرانے کے بجائے جدید نام وکرماجیت کندہ کرایا، بہت سے مؤرخین کا خیال

(۱) تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال، قومی آواز ۶ر نومبر ۱۹۹۰÷

ہے کہ ان جذبات طرازیوں سے اس کا مقصد سوریہ ونسی راجوں کا وقار حاصل کرنا تھا کیونکہ راجہ رام چندر جی کے بارے میں یہی روایت ہے کہ وہ سوریہ ونسی (سورج بنسی) تھے، یہ سکند گپت (الملقب بہ وکرماجیت) خود سانکیہ دھرم کا پیرو تھا اور بعد میں بدھ مت کا معتقد ہو گیا تھا، رام جی سے اسے کوئی مذہبی عقیدت نہیں تھی۔

سکند گپت (وکرماجیت) کے بارے میں کیننگھم نے لکھا ہے کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بودھ مت کے پیرووں کا دشمن تھا، لیکن کیننگھم کی یہ سنی سنائی بات درست نہیں ہے کیونکہ ونسنٹ اے اسمتھ نے اپنی مختصر تاریخ ہند میں تاریخی حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اولاً سانکیہ دھرم کا پیرو تھا، بعد میں ایک بدھسٹ عالم کی تبلیغ سے بودھ مت کا معتقد ہو گیا، اسمتھ لکھتا ہے۔

''۵۵۰÷ کے قریبی زمانہ میں بودھ مذہب کے ایک زبردست عالم ''بسو بندھو'' کی سوانح عمری ''پرمارتھ'' نامی عالم نے لکھی ہے، جس میں وہ لکھتا ہے کہ اجودھیا کا راجہ بکرماجیت (سکند گپت) جو سانکیہ کے فلسفہ کا پیرو تھا اس کو ''بسو بندھو'' نے بودھ مت کا معتقد بنالیا تھا، یہ سوانح عمری چینی زبان میں محفوظ رہ گئی ہے''۔(۱)

عہد وسطیٰ کی تاریخی تصنیفات میں اجودھیا کا ذکر

مسلم دور حکومت میں لکھی گئی تاریخوں میں اجودھیا کا قدرے مفصل ذکر شہنشاہ اکبر کے درباری فاضل علامہ ابوالفضل متوفی ۱۰۱۱÷ نے اپنی فاضلانہ تصنیف آئین اکبری میں کیا ہے ابوالفضل نے بھی عوامی روایتوں ہی کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

اودھ از بزرگ شہر ہائے ہند طول صدو ہژدہ درجہ وشش دقیقہ عرض بست وہفت درجہ وبیست دو دقیقہ پیش زماں دراز صد وچہل دہشت کردہ وپہناسی وشش آباد بود از گزیں معابد پاستان برشمارند بسواد شہر خاک بیزی کنند وطلا

(۱) مقدمہ تاریخ ہند، اکبر شاہ نجیب آبادی ج ا ص ۱۷۸۔

برگیرند بنگاہ راجہ رام چندر بود در دور ترتیا فرماں روائی معنوی باتخت نشینی
صوری فراہم داشت یک کروے شہر دریائے گھگھر بدریائے سرو پیوستہ
پایاں قلعہ بگذرد، نزد ایں شہر دو قبر بزرگ ساختہ اندشش و ہفت گزی عامہ
خوابگاہ شیث وایوب پیغمبر پندارند و بوئے افسانہا برخوانند۔(۱)

اودھ ہندوستان کے بڑے شہروں میں ہے اس کا طول البلد ایک سو اٹھارہ
درجہ چھ دقیقہ اور عرض البلد ۲۷ درجہ بائیس دقیقہ ہے، قدیم زمانہ میں اس
کی آبادی ایک سو اڑتالیس کوس لمبائی میں اور چھتیس کوس چوڑائی میں تھی، یہ
ہندوستان کی بہت بڑی تیرتھ گاہ ہے، اطراف شہر میں زمین کھودنے سے
سونا نکلتا ہے یہ شہر راجہ رام چندر کا مسکن تھا جو ترتیا دور میں ظاہری و باطنی
ریاست کے حامل تھے، شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر دریائے گھاگھرا
دریائے سرجو سے مل گیا ہے، اور قلعہ (سلطان سکندر لودھی کا تعمیر کردہ قلعہ جو
اب دریا برد ہو چکا ہے) کے پاس سے گذرتا ہے، شہر کے نزدیک چھ سات
گز لمبی دو قبریں ہیں جنھیں عوام شیثؑ اور ایوبؑ پیغمبر کا مدفن بتاتے ہیں، اور
ان کے متعلق عجیب وغریب قصے سناتے ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ اجودھیا کے متعلق یہ درج کیا ہے۔
اجودھیا (بفتح ہمزہ وضم مجہول جیم وسکون واؤ وکسر دال وہائے خفی ویائے
تحتانی والف) بہ اودھ مشہور از مشرق تا چہل کردہ معبد شمرند واز شمال تا
جنوب بیست کردہ درنہم شکل پچھ ماہ چیت ہنگامہ پرستش فراہم آید۔" (۲)

اجودھیا جو اودھ سے مشہور ہے پورب جانب سے چالیس کوس اور دکھن سے
اتر بیس کوس کے علاقہ کو متبرک شمار کرتے ہیں، چیت کی نویں تاریخ کو
یہاں مذہبی میلہ ہوتا ہے۔

(۱) آئین اکبری ج۲ ص۸۷۔

(۲) آئین اکبری ج۲ ص۸۷۔

الگزنڈر کیننگھم کی رپورٹ

اجودھیا سے متعلق سب سے مفصل وہ رپورٹ ہے جو الگزنڈر کیننگھم نے ۱۸۷۱ء
میں مرتب کی تھی، اس میں مندرج بعض باتیں قطعی طور پر غلط اور فساد انگیزی پر مبنی ہیں، پھر
بھی اجودھیا کے بارے میں اب تک اس سے زیادہ معلومات افزا تحریر نہیں لکھی گئی ہے،
۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان پر انگریزی حکومت کا تسلط مستحکم ہوگیا تو اپنے سامراجی
مقاصد کے تحت حکومت نے جہاں بہت سے کام انجام دیئے وہاں آثار قدیمہ کا محکمہ قائم
کرکے ان پر کتابیں لکھوانی شروع کیں اور ہر ضلع کے گزیٹر بھی مرتب کرائے، بظاہر یہ کام
بہت مفید دکھائی دیا مگر ان میں جو زہر بھرا گیا اس سے عام طور پر لوگ بے خبر رہے، الگزنڈر
کننگھم ہندوستانی آثار قدیمہ کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے، اس کی رپورٹیں آج تک
تحقیقی وتاریخی کاموں کے لئے ناگزیر سمجھی جاتی ہیں، کیننگھم نے اپنی رپورٹ کی جلد اوّل
میں اجودھیا پر جو باب لکھا ہے اس موقع پر اس کے کچھ ضروری اقتباسات پیش کئے
جارہے ہیں۔

"چینی سیاح ہیون سیانگ کا بیان ہے کہ گوتم بدھ وساکا میں چھ سال رہے
یہ سرسوتی کے جنوب میں کچھ فاصلہ پر تھا، میرے خیال میں وساکا اور
ساکیت دونوں ایک ہی جگہیں ہیں۔"

اس کے بعد وہ اجودھیا کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

"اجودھیا کا موجودہ شہر پرانے شہر کے اتر پورب میں واقع ہے، لمبائی میں
دو میل ہے اور پون میل چوڑا ہے، لیکن اس شہر کا آدھا حصہ بھی عمارتوں سے
آباد نہیں ہے، پورے شہر میں زوال کے آثار ہیں، کھنڈروں کے اونچے
اونچے ٹیلے بھی نہیں ہیں، وہاں ٹوٹی پھوٹی مورتیاں بھی نہیں ملتی ہیں، منقش
ستون بھی نہیں پائے جاتے ہیں جیسا کہ دوسرے شہروں کے ویرانوں میں
پائے جاتے ہیں، کوڑے کرکٹ کے تودے تو ضرور ہیں جن سے اینٹیں

نکال کر پڑوسی شہر فیض آباد کے مکانات بنائے گئے ہیں، یہ مسلمانوں کا شہر ڈھائی میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہے یہ شہر ملبوں سے بنا ہوا ہے جو اجودھیا میں کھود کر نکالے گئے ہیں دونوں شہر چھ مربع میل میں واقع ہیں، یہ گویا رام کی قدیم راجدھانی اجودھیا کا نصف ہے۔''

کیننگھم آگے لکھتا ہے:

رامائن کے بیان کے مطابق اجودھیا کو ''منو'' نے آباد کیا، منو انسان کے ابوالآباء سمجھے جاتے ہیں، رام چندر کے پتا دسرتھ کے زمانہ میں اس میں قلعہ بند شہر تھے، پھاٹک بھی تھے اور اس کے چاروں طرف خندقیں تھیں، لیکن ان کا نام ونشان اب دکھائی نہیں دیتا، اس کا کوئی حصہ بھی باقی نہیں، کہا جاتا ہے کہ ''رام'' کا اجودھیا دری ہادبالا کی موت کے بعد ایک بڑی لڑائی میں ۱۴۲۶ ق م میں برباد ہوگیا اس وقت سے وکرماجیت کے زمانہ تک یہ ویران رہا، مشہور روایت یہ ہے کہ وکرماجیت اجین کا مشہور شکاری راجہ تھا، موجودہ دور کے ہندو وکرما کے سارے اعمال اسی سے منسوب کرتے ہیں، اس سلسلے میں ان کی رائے مہمل ہے، ہیون سیانگ کا بیان ہے کہ اس نام کا ایک طاقتور راجہ سرسوتی کے پڑوس میں کنشک سے بعد کا تھا اور تقریباً ۷۸ ق م کا زمانہ تھا، (۱) اور یہی سالی واہانہ کے شروع سا کاسنگ کا زمانہ تھا اس وکرماجیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بودھ مذہب کے پیروؤں کا دشمن تھا وہ بڑا سرگرم برہمن تھا، میری رائے ہے کہ اسی نے اجودھیا کی از سر نو تعمیر کی اور رام چندر کی تاریخ میں جو مقدس جگہ ان کے نام سے موسوم تھی ان کو تلاش کرایا روایتہً یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب وہ اجودھیا آیا تو یہ بالکل

(۱) گپت خاندان کے راجاؤں نے اودھ اور شمالی ہند میں ابتدائے ۳۱۹÷ تا ۴۷۰÷ سلطنت کی البتہ شالباہن کا زمانہ ۷۸÷ ہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گپت خاندان راجہ شالباہن کے ۲۴۱ سال بعد مسند آرائے سلطنت ہوئے ہیں، کیننگھم کا بیان اس سلسلے میں مجمل ہے تفصیل کیلئے دیکھئے مختصر تاریخ ہند ص ۱۳۸، از ڈاکٹر ڈبلو ڈبلو ہنٹر۔ کچھ آگے چل کر لکھتا ہے۔

کھنڈر تھا اور جنگلوں سے بھرا تھا، اس نے رام چندر کی مشہور جگہ کی کھوج لگائی سرجو کے گھاٹ سے اس نے پیمائش شروع کی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین سو ساٹھ مندر، رام چندر، ان کی بیوی سیتا، لکشمن اور شتروگھن، ہنومان اور دوسرے ناموں پر بنوائے، تین سو ساٹھ کی تعداد کا تعلق سالی واہانہ سے بھی ہے کیونکہ راجہ کے قبیلہ کے دیس راجپوت کہتے ہیں کہ راجہ کی تین سو ساٹھ بیویاں تھیں یعنی ہر بیوی کی خاطر اس نے ایک مندر بنوایا۔

اجودھیا میں بہت سے برہمنوں کے مندر ہیں لیکن وہ جدید زمانہ کے ہیں ان میں اثری خوبیاں نہیں ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ مندر زیادہ تر ان مندروں کی پرانی جگہوں پر بنائے گئے ہیں جن کو مسلمانوں نے مسمار کر دیا تھا۔ (۱) رام کوٹ کا ہنومان گڑھی شہر کے پورب جانب ہے یہ چھوٹا سا قلعہ ہے جو دیواروں سے گھرا ہے یہ ایک جدید مندر کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے جو ایک ٹیلہ کے اوپر ہے، رام کوٹ یقیناً پرانا ہے اس کا تعلق منی پربت سے ہے، ہنومان کا مندر زیادہ پرانا نہیں ہے، اورنگ زیب کے عہد سے پہلے کا نہیں ہے۔ (۲)، شہر کے پوربی کونے پر رام گھاٹ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں رام چندر نے اشنان کیا تھا، سرگ دواری یا سورگ دوار، سورگ کا پھاٹک ہے، اتر پورب میں اس کا تعین کیا جاتا ہے،

(۱) کیننگھم اسی رپورٹ میں آگے کی سطروں میں لکھتا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں وکرماجیت کے بنوائے ہوئے تین سو ساٹھ مندر ختم ہو چکے تھے اور اجودھیا تباہ ہو رہا تھا - اور اجودھیا پر مسلمانوں کا اقتدار گیارہویں صدی عیسوی کے آخر یا بارہویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں قائم ہوا ہے اس لئے جو مندر ساتویں صدی یعنی مسلمانوں کے آنے کے چار سو سال پہلے ہی تباہ اور ختم ہو چکے تھے انھیں مسلمانوں نے کس طرح مسمار کر دیا؟ دراصل کیننگھم نے اس یکسر خلاف عقل افسانہ کو لکھ کر ہندوؤں کو مسلمانوں سے برگشتہ کرنا چاہا جو اس کا اور ہر انگریز کا مقصد اولین تھا جس کے حصول کیلئے یہ لوگ خلافِ عقل بعید از قیاس اور صد فی صد غلط اور جھوٹی باتوں کے کہنے اور لکھنے سے قطعاً نہیں گھبراتے۔

(۲) ہنومان گڑھی کے اس مندر کی ابتدائی تعمیر نواب شجاع الدولہ متوفی ۱۷۷۵÷/ ۱۱۸۸ھ کے عہد میں ہوئی ہے اور ہنومان گڑھی کی تعمیر اس کے بھی بعد میں ہوئی، تفصیل کتاب میں ملاحظہ کریں۔

جہاں رام چندر جلائے گئے، کچھ سال پہلے یہاں برگد کا درخت تھا، جو اشوک بڑ کہلاتا تھا یعنی یہ وہ برگد ہے جس کے پاس غم نہیں پھٹکتا۔ شاید یہ نام سورگ وغیرہ کے تعلق سے رکھا گیا ہو جس کے بارے میں لوگوں کو یقین ہے کہ جو لوگ یہاں آکر مر جاتے ہیں یا جلائے جاتے ہیں وہ دوسرے جنم سے آزاد ہو جاتے ہیں، اسی کے پاس لکشمن گھاٹ ہے، جہاں رام چندر کے بھائی لکشمن نے اشنان کیا تھا، اور یہاں سے ½ میل کے فاصلے پر شہر کے قلب میں جنم استھان کا مندر کھڑا ہے، یہاں رام چندر پیدا ہوئے تھے، پھر پچھم کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر گپتار گھاٹ ہے، یہاں کئی سفید مندر ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں سے لکشمن غائب ہو گئے تھے اسی لئے اس کا نام گپتار ہے جس کے معنی چھپا ہوا ڈھکا ہوا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں سے لکشمن نہیں بلکہ رام غائب ہوئے، سورگ دواری میں ان کے جلائے جانے کے قصہ سے اس کی تطبیق نہیں ہوتی۔

کینگھم یہ بھی لکھتا ہے۔

پرانے شہر میں بودھ کے بیس مندر تھے (۱) وہاں تین ہزار بھکشو رہتے تھے اسی کے ساتھ برہمنوں کے پچاس مندر تھے اور برہمنوں کی آبادی تھی اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ساتویں صدی کے آغاز میں وکرماجیت کے بنائے ہوئے تین سو ساٹھ مندر ختم ہو چکے تھے اور اجودھیا تباہ ہو رہا تھا۔ (۲)

اجودھیا کی مذہبی حیثیت

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجودھیا رام بھگتی کے مرکزی حیثیت سے بہت بعد میں متعارف ہوا ہے اس سے پہلے وہ بودھ مت، جین مت، شیومت اور اسلامی

(۱) ہیونگ شیانگ کے بیان کے مطابق اس وقت اجودھیا میں بودھوں کے بیس نہیں بلکہ سو مندر تھے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) بابری مسجد، تاریخی پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں۔ از سید صباح الدین، ص ۴۰ تا ۴۳۔

تہذیب وثقافت کا مرکز رہ چکا ہے، چنانچہ جن بارہ غیر مسلم دانش وروں کا حوالہ گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے وہ مشترکہ طور پر لکھتے ہیں۔

''ایودھیا رام بھگتی کے مرکز کی حیثیت سے بہت بعد میں سامنے آتا ہے، پرانے زمانے میں یہ کئی مذاہب کے لئے مقدس مقام رہ چکا ہے، پانچویں صدی سے آٹھویں صدی بلکہ بعد کے کتبوں میں بھی ایودھیا کے باشندوں کے حوالوں میں کہیں بھی اس کا تعلق رام بھگتی سے نہیں ملتا ہے۔'' (۱)

(اپی گرافیکا انڈیکا ۱۰ اص ۲۷، ۱۵ اص ۱۴۳-۱۴ اص ۱۴)

پٹنہ اور دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے سابق صدر، قدیم ہندوستانی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر رام سرن شرما اپنی کتاب کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا میں لکھتے ہیں۔

''جب ہم ہندو عقائد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اجودھیا کو ازمنۂ وسطیٰ میں تیرتھ استھان کی حیثیت حاصل ہوئی ہے اس سے قبل اجودھیا کو یہ مقام حاصل نہیں تھا، وشنوسمرتی کے باب پچاسی میں باون تیرتھ استھانوں کی ایک فہرست ہے جس میں شہروں تالابوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے نام موجود ہیں لیکن اس فہرست میں اجودھیا کا نام موجود نہیں ہے، اس سمرتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے قریب کی ہے اور اس میں درج تیرتھ گاہوں کی فہرست قدیم ترین فہرست ہے۔'' (۲)

چین کا مشہور بدھسٹ عالم اور سیاح ہیون سیانگ راجہ ہرش (مشہور بہ راجہ سلاوت) کے زمانہ ۶۳۰ء میں ہندوستان آیا اور تقریباً پندرہ سولہ سال اور بقول مولوی ذکاء اللہ صاحب تیس سال یہاں رہ کر ملک کا چپہ چپہ چھان مارا جس کی مکمل تفصیل اس نے اپنے سفرنامہ میں درج کی ہے اس کا یہ سفرنامہ قدیم ہندوستان کی تاریخ کے لئے ایک

(۱) تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال، قومی آواز دہلی ۶ر نومبر ۱۹۹۰ء

(۲) کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا، ص ۲۰ ہندی ایڈیشن، مطبوعہ مئی ۱۹۹۰ء

دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا انگریزی اردو وغیرہ بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، ہیونگ شیانگ نے اپنی تحریر کے مطابق کشمیر، پنجاب، سندھ، گجرات، مالوہ، متھرا، تھانیسر، قنوج، بنارس، پٹنہ، بہار، بنگال، آسام، اڑیسہ، مدراس، آندھرا، ممالک متوسط، مہاراشٹر، کوکن، ٹرانکور وغیرہ اہم مقامات کی سیاحت کی، وہ ان جگہوں کے باشندوں، حاکموں اور عالموں کے حالات پوری بصیرت و قابلیت کے ساتھ لکھتا ہے وہ جب قنوج پہنچتا ہے تو اسے وہاں بودھ مذہب کی سو عبادت گاہیں اور دس ہزار پجاری ملتے ہیں اس وقت وہاں کا راجہ ویش ذات کا راجپوت ہرشا وردھن (راجہ ہرش یعنی راجہ سلادت) تھا جس کے والد کا نام ہیونگ شیانگ پراکر وردھن بتاتا ہے یہ راجہ بدھ مت کا پیرو تھا اور بدھ کی تعلیمات کے مطابق پانچویں سال مہاموکش (کفارۂ گناہ کیلئے دان کا عظیم میلہ) کرتا تھا، ہیونگ شیانگ نے قنوج میں دریائے گنگا کے کنارے دو سو فٹ بلند اشوک کی لاٹ بھی دیکھی، شہر قنوج کے ایک ویہار (بودھ عبادت گاہ) میں اس نے ڈیرسین نامی ایک عالم کی مدد سے بودھ مت کی بعض کتابوں کا مطالعہ بھی کیا، قنوج کی سیاحت کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے میں اجودھیا کے لئے روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے۔

"یہاں (اجودھیا میں) ایک سو عبادت گاہیں (ویہار) اور کئی ہزار پجاری ہیں، وہ لکھتا ہے کہ میں نے اجودھیا میں بودھ مذہب کے قدامت پسند و جدت پسند دونوں فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔" (۱)

بدھ مت کے مرکز کی حیثیت سے

ہیونگ شیانگ کی اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی میں اجودھیا بدھوں کا مرکز تھا، بودھ دھرم والوں کا یہ بھی خیال ہے کہ گوتم بدھ نے اجودھیا میں کچھ دن قیام کیا ہے لیکن جب بہار کے ایک عظیم برہمن رہنما کمارل نے شیو کی پوجا کی ترویج و اشاعت اور

(۱) مقدمہ تاریخ ہند ج ۱ ص ۱۸۰۔ از اکبر شاہ نجیب آبادی۔

بودھ مذہب کی مخالفت میں ایک زبردست تشدّد آمیز تحریک شروع کی اور خوش قسمتی سے انھیں دکن کے ایک طاقتور راجہ کی مکمل ہمنوائی بھی حاصل ہوگئی تو بدھسٹ جو پہلے ہی مذہبی تحزّب اور باہمی فرقہ بندیوں کی وجہ سے اپنی طاقت کھو چکے تھے اس پر تشدد تحریک کا مقابلہ نہ کر سکے، برہمن رہنما کمارل کے بعد ان کے مشہور چیلے شنکر اچاریہ (جن کا زمانہ آٹھویں صدی کا آخر یا نویں صدی کا ابتدائی متعین کیا جاتا ہے) نے اپنی بے پناہ اور انتھک جدوجہد سے اس تحریک کو ارتقاء کی آخری حدوں تک پہنچا دیا، جس کے نتیجے میں بودھوں کے بڑے بڑے ویہار اور قدیم عبادت گاہیں یا تو مسمار کر دی گئیں یا انھیں شیو کے مندر میں تبدیل کر لیا گیا۔

مہاراشٹر کے ایک مؤرخ ڈاکٹر جمنا داس نے انگریزی زبان میں شائع شدہ اپنی کتاب "تروپتی بالاجی مندر بدھوں کی عبادت گاہ تھی" کی تلخیص پندرہ روزہ اخبار 'دلت وائس'، انگریزی مورخہ یکم تا ۱۵ جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع کرائی ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ میری کتاب میں بودھ مت کے زوال کے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جس میں بودھ مت کی عبادت گاہوں کو برہمن دھرم کے لئے استعمال کرنے کا جائزہ لیا گیا ہے، ماہرین و محققین یہ بات پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ پوری کا گناتھ مندر، بندھا پور کا وشوبھا مندر اور بدری ناتھ مندر ابتدا میں بودھ عبادت گاہیں تھیں آندھرا پردیش کا مشہور تروپتی مندر بھی ایک ایسا ہی مندر ہے جو ابتدا میں بودھ ویہار تھا۔

آگے چل کر ڈاکٹر جمنا داس نے کتاب کی جلدوں اور اس کے ابواب کی تفصیل پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ جلد اول کے باب دوم میں بودھ عبادت گاہوں پر برہمنوں کے قبضہ کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن میں امراوتی، تیر، چنز ولا، ایہول، انداولی، ایلورا، پوری، اور سرنگیری کے مندروں کا ذکر ہے کہ یہ ابتدا میں بودھ ویہار تھے۔ باب سوم میں اس دعویٰ کے ثبوت فراہم کئے گئے ہیں کہ جگناتھ پوری کا مندر بودھ عبادت گاہ تھی، باب چہارم میں ثابت کیا گیا ہے کہ وٹھالہ پندھار پور کا مندر بودھ خانقاہ تھی، باب پنجم میں اس بات کے ثبوت ہیں کہ ورک شرم مندر بودھ عبادت گاہ تھی، اور کس طرح بدھ "ایا کا"

کولنگ پوجا کے لئے استعمال کیا گیا، باب ہفتم میں اس دعویٰ کو مدلل کیا گیا ہے کہ نیلا ملائی میں سری سیلم مندر ابتداء میں بودھ عبادت گاہ تھی۔(۱)

یہ ساری تفصیلات تقریباً ایک خاص خطے سے تعلق رکھتی ہیں، جس سے ہندوستان کے دوسرے مقامات کی بودھ خانقاہوں کے متعلق نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل اور دشوار امر نہیں ہے، غالب گمان یہی ہے کہ شیومت کے احیاء اور بودھ مخالف تحریک کے اسی دور میں اجودھیا کی وہ یک صد خانقاہیں جن کی ہیونگ شیانگ سیاح نے زیارت کی تھی شیو مندروں میں تبدیل کر لی گئیں اور اجودھیا سے بودھ پجاریوں کو دیس نکالا دے کر وہاں سے بودھ مت کی مرکزیت ختم کر دی گئی۔

شیومت کا غلبہ اور وشنومت کا آغاز

اس وقت سے لے کر تقریباً اٹھارہویں صدی تک دیگر ہندو فرقوں کے مقابلے میں شیومت کا ہی اجودھیا میں غلبہ اور بول بالا رہا۔

مذکورہ بالا غیر مسلم دانشوران لکھتے ہیں:

”تیرہویں صدی عیسوی سے رام بھگتی عوام میں پھیلنا شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ رام نندی فرقہ کی ترقی اور ہندی میں رام کہانی کی ترتیب کے ساتھ اس کا زور پکڑتا ہے لیکن پندرہویں سولہویں صدی تک بھی رام نندی ایودھیا میں کسی بڑی تعداد میں نہیں بسے تھے شیو بھگتی کی یہاں رام بھگتی سے کہیں زیادہ اہمیت تھی۔“(۲)

نامور مؤرخ ڈاکٹر رام سرن شرما تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف اجودھیا ہی نہیں بلکہ پورے اتر پردیش میں کسی ایک جگہ بھی سولہویں صدی سے پہلے کوئی رام مندر نہیں پایا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک رام بھگتی کا وجود ہی نہیں تھا۔(۳)

(۱) ہفت روزہ نئی دنیا دہلی، ۱۳ تا ۱۹ رجنوری ۱۹۹۰÷

(۲) تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال، قومی آواز ۶ رنومبر ۱۹۹۰÷۔

(۳) کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا، ہندی ایڈیشن ص ۲۰ مطبوعہ مئی ۱۹۹۰÷۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رامانج (جو ۱۱۱۶÷ میں مدراس کے ایک گاؤں پرمیر میں پیدا ہوئے) نامی ایک ہندو مصلح نے شیومت کی مخالفت پر کمر باندھی اور شیو بھگتی کے مقابلہ میں وشنومت کا پرچار شروع کیا، بعد ازاں رامانج کے پانچویں جانشین رامانند (۱۲۹۹÷ میں الہ آباد کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے) نے اپنی غیر معمولی جدوجہد سے پورے شمالی ہند میں اس تحریک کو عام کر دیا، وشنومت کے نامور اور مشہور بھگتوں میں ناوا جی، سورداس، تلسی داس (جنھوں نے ہندی زبان میں رامائن مرتب کی) جے دیو اور کبیر داس وغیرہ کی مشترکہ کوششوں سے سولہویں صدی آتے آتے رامانندی فرقہ (وشنومت) کو شیومت پر غلبہ ہوگیا اور شیو پوجا کے بجائے وشنو کے اوتار کی حیثیت سے رام کی پوجا عام ہوگئی اور اسی زمانہ سے رام کے نام پر مندروں کی تعمیر شروع ہوئی۔(۱)

جین مت کے استھان کی حیثیت سے

بودھ مت، شیومت، وشنومت (رامانندی فرقہ) کے علاوہ اجودھیا جین مت کی بھی اہم ترین زیارت گاہ رہ چکا ہے، جینی اپنے پہلے اور تیسرے تیرتھنکر کی جنم بھومی اجودھیا ہی کو بتاتے ہیں، چوتھی، تیسری صدی ق م کا ایک پکی مٹی کا جینی پتلا اجودھیا میں پایا گیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اجودھیا جین مت کا استھان رہ چکا ہے مگر آج وہاں اس مذہب کی کوئی علامت اور نشانی نہیں پائی جاتی۔

مسلمانوں کی آمد اور اسلامی آثار کا فروغ

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیانی عہد سے اجودھیا میں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی قائم ہوگئی تھی اور ہندوستان کے دیگر مقامات کی طرح اجودھیا کا علاقہ بھی مسلمانوں کے زیر اقتدار آ گیا تھا اور حکومت کی جانب سے اس علاقے کے نظم وضبط کو قائم

(۱) تفصیل کیلئے دیکھئے مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چودھری غلام رسول ایم اے ص ۱۹۷ اور مختصر تاریخ ہند ڈبلو ڈبلو ہنٹر اردو ایڈیشن نول کشور ۱۸۹۴÷ ص ۱۵۹، اور ۱۶۱۔

رکھنے کے لئے امیر و قاضی مقرر تھے، ہماری تحقیق کے مطابق اجودھیا کے اولین قاضی شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے خواجہ تاش اور پیر بھائی قاضی قدوۃ الدین بن میرک شاہ اسرائیلی اودھی ہیں جن کی وفات اجودھیا ہی میں ۶۰۵ھ/ ۱۲۰۸ء میں ہوئی، کتاب کے پہلے باب میں ان کا مختصر سا تذکرہ موجود ہے اس وقت سے لے کر تقریباً اٹھارہویں صدی عیسوی تک اجودھیا پر اسلامی تہذیب وثقافت چھائی رہی اس مدت میں اجودھیا کے افق سے علم وفضل کے ایسے ایسے آفتاب وماہتاب چمکے جن کی تابانیوں کے سامنے خود دارالخلافہ دہلی کے علمائے نامدار کے چراغ مدھم پڑ گئے جن کے تذکرے اس کتاب میں آپ پڑھیں گے اسی سرزمین میں عام روایت کے مطابق حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کے صلبی صاحبزادے اور جانشیں حضرت شیث علیہ السلام کا مدفن ہے جس کی زیارت کو مسلمان اپنے لے سرمایۂ سعادت سمجھتے ہیں اور آج بھی پچاسوں ایکڑ پر پھیلے ہوئے قبرستان اور خانقاہوں ومزارات کے کھنڈرات زبان حال سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اس ارض متبرک پر اسلامی قافلہ کبھی آ کر ٹھہرا تھا۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ☆ کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

یہ تفصیلات بتا رہی ہیں کہ پچھلی صدیوں میں ایک مقدس مرکز ہونے کی حیثیت سے اجودھیا کے احوال بدلتے رہے ہیں کبھی یہ بودھوں کا مرکز توجہ رہا ہے تو کبھی جینیوں نے اپنی عقیدت کے نذرانے اس پر نچھاور کئے ہیں کبھی علماء اسلام اور مشائخ تصوف نے اپنی علمی وروحانی سرگرمیوں کا اسے محور بنایا تو کبھی شیومت اور وشنومت کے پجاریوں کا یہ مقصود نظر رہا، غرضیکہ اس کا رشتہ مختلف مذہبوں کی تاریخ سے پیوستہ رہا ہے اور مختلف ادوار میں مختلف مذہبی جماعتوں نے اپنے اپنے طور پر اسے عزت وعظمت کا مقام عطا کیا ہے اس لئے اس شہر پر کسی ایک مذہب کا دعویٰ تاریخی اعتبار سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

بابری مسجد حقائق اور افسانے

یکم فروری ۱۹۸۶ء (۲۱ر جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ) سنیچر کے دن "بابری مسجد" واقع اجودھیا ضلع فیض آباد، ناجائز اور غیر منصفانہ طور پر نہایت ڈرامائی انداز سے "رام جنم استھان مندر" میں تبدیل کردی گئی، اس حادثہ فاجعہ پر مسلمانوں کو جس قدر غم ہو کم ہے۔

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد برزمیں"

یہ ظالمانہ اقدام محض جبر وتشدد اور کثرت وطاقت کے نشہ میں کیا گیا ہے، لیکن دنیا کو فریب دینے کے لئے اس پر عدالت کے فیصلے کی چادر ڈال دی گئی ہے حالانکہ اس غیر قانونی عمل کو عدالت کا فیصلہ کہنا خود عدلیہ کی توہین ہے اور اب اس نام نہاد فیصلہ کو حق بجانب اور درست ثابت کرنے کی غرض سے "بابر" اور اس کی جانب منسوب "بابری مسجد" کی تاریخ مسخ کرنے کی ملک گیر تحریک چلائی جارہی ہے، اس رسوائے زمانہ تحریک کا سلسلہ اگرچہ عرصۂ دراز سے جاری تھا مگر اسے آج کل تیز تر کردیا گیا ہے اور وشو ہندو پریشد، آریہ پرتی ندھی سبھا، بھارتیہ جنتا پارٹی، وغیرہ فرقہ پرست تنظیمیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ "بابری مسجد کو بابر شاہ نے رام جنم استھان مندر توڑ کر اس کے کھنڈر پر تعمیر کرایا تھا، اس لئے اس مسجد کو ہندو فرقہ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ حق وانصاف پر مبنی ہے۔"

اس بے بنیاد اور من گھڑت افسانے کو ایک صحیح اور سچا واقعہ باور کرانے کے لئے علم و تحقیق کی آبرو کو بالائے طاق رکھ کر پوری جسارت کے ساتھ تزک بابری، آئین اکبری اور عالم گیری نامہ جیسی اہم تاریخی کتابوں کا بالکل غلط طور پر حوالہ بھی دیا جارہا ہے۔

اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۱/۲۲ر فروری ۱۹۸۶ء نے ضرورت محسوس کی کہ بابری مسجد کی صحیح تاریخ عوام کے سامنے پیش کی جائے تاکہ سرکاری